راہ معرفت (4)

راہِ معرفت

- فریضۂ علم
- اسلام اور علم

المہدیؑ ادارہ تربیت اسلامی
آئی ایس او پاکستان

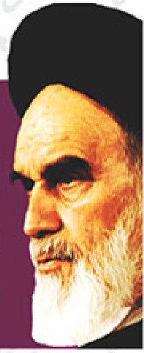

شہید مطہری اپنی پوری عمر اسلامِ عزیز کے مقدس اہداف کے حصول کی جدو جہد میں مصروف رہے، بے راہ رویوں اور انحرافات کے خلاف جانفشانی سے نبرد آزما ہوئے، شہید مطہری دین اسلام اور اس کے مختلف علوم میں تبحر اور قرآن حکیم کے حقائق و غوامض کی بصیرت و معرفت میں اپنی مثال آپ تھے، شہید مطہری میری عمر کا حاصل تھے۔

امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ

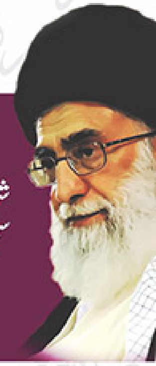

شہید مطہری انقلاب اسلامی کا فکری ستون ہیں اور انقلاب کی کامیابی بلکہ اس کو وجود میں لانے میں شہید مطہری کا بہت بڑا کردار رہا ہے اگر آج بھی آپ اسلام کے ترجمان بننا چاہیں اور دینی معارف کو سمجھنا چاہیں تو لازمی ہے کہ کم از کم ایک بار اُستاد مطہری کے تمام آثار اور کتب کا مطالعہ کریں۔

رہبر معظم سید علی خامنہ ای حفظہ اللہ

المہدیؑ ادارۂ تربیت اسلامی
آئی ایس او پاکستان

راہ معرفت(۴)

۱۔فریضہ علم

اہداف:

۱۔طلب علم اور تحصیل علم کی کیا اہمیت ہے؟

۲۔طلب علم اور تحصیل علم کے کیا فائدے ہیں؟

۳۔اسلامی معاشرہ کی آزادی اور عزت کے اُصول کیا ہیں؟

۴۔جہالت کے خلاف جدوجہد کیسے کی جائے؟

قُل هَل يَستَوِى الَّذِينَ يَعلَمُونَ وَ الَّذِينَ لَا يَعلَمُونَ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُو الاَلبَابِ(الزمر:۹)

آج ہمارا موضوعِ سخن "فریضۂ علم" ہے۔شاید آپ نے اندازہ لگالیا ہوگا کہ یہ عنوان رسول اکرمؐ کی اس مشہور حدیث سے ماخوذ ہے جو آپ نے ضرور سنی ہوگی اور کم از کم بعض اسکولوں کے کتبوں پر لکھی دیکھی ہوگی۔وہ حدیث جو ہم سب کو یاد ہے، یہ ہے:

طَلَبُ العِلمِ فَرِيضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسلِمٍ

تحصیلِ علم ہر مسلمان پر فرض ہے

یہ ان احادیث میں سے ہے جو شیعہ اور سنی دونوں نے اپنے اپنے اسناد سے رسول اکرمؐ سے روایت کی ہیں۔اگر کچھ حدیثیں ایسی ہیں جو فریقین میں متفق علیہ ہیں تو ان میں سے ایک یہ بھی ہے۔

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ دوسرے اسلامی فرائض و واجبات کی طرح ایک اسلامی فرض طلب علم اور تحصیل علم ہے، تحصیلِ علم ہر مسلمان پر واجب ہے اس میں کسی طبقہ یا گروہ کی کوئی تخصیص نہیں۔ تاریخ میں ہے کہ ظہور اسلام سے قبل اس زمانے کے بعض متمدن معاشروں میں حصول علم بعض طبقوں کا امتیازی حق سمجھا جاتا تھا اور معاشرے کے باقی طبقوں کو یہ حق حاصل نہیں تھا۔اسلام میں علم کسی کا امتیازی حق نہیں، دوسرے فرائض و واجبات کی طرح تحصیل علم بھی ہر شخص پر فرض ہے۔جس طرح نماز فرض ہے، روزہ فرض ہے، زکات فرض ہے، حج فرض ہے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرض ہے، اسی طرح اس حدیث کے مطابق حصولِ علم بھی فرض ہے۔

میں یہاں ایک حکایت نقل کرتا ہوں اور یہ حکایت سنانے سے پہلے رسول اکرمؐ کی چار احادیث بیان کرتا ہوں اور ان کی کچھ وضاحت کرتا ہوں۔ان احادیث کا تعلق بھی اسی حکایت سے ہے بعد میں اصل حکایت بیان کروں گا۔

ایک تو وہی حدیث ہے جو میں نے ابتداء میں سنائی تھی **طَلَبُ العِلمِ فَرِيضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسلِمٍ** ج س کا مطلب یہ ہے کہ علم کی جستجو اور تحصیل ہر مسلمان پر واجب ہے۔اس میں کوئی استثنا نہیں ۔عورت مرد کا بھی کوئی فرق نہیں۔بعض شیعہ روایات میں جو بحار الانوار میں موجود ہیں صراحتاً ومسلمۃ کا اضافہ بھی موجود ہے۔

اس حدیث کے مطابق طلب علم سب پر بلا کسی امتیاز کے فرض ہے۔ اس میں کسی طبقہ یا صنف یا جنس کی کوئی قید نہیں۔ ایسا ممکن ہے کہ کوئی چیز مثلاً جوانوں پر فرض ہو بوڑھوں پر نہ ہو، حاکم پر فرض ہو رعایا پر نہ ہو جیسے جہاد اور نماز جمعہ صرف مردوں پر فرض ہے عورتوں پر نہیں مگر فریضۂ علم ہر مسلمان پر فرض ہے اور اس میں کسی کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔

دوسری حدیث ہے:

اُطلُبو االعِلمَ مِنَ المَھدِ اِلی للّحدِ

یعنی تمام عمر، گہوارہ سے قبر تک علم کی طلب جاری رکھو۔

علم کے حصول کا کوئی وقت، کوئی زمانہ اور کوئی موسم مقرر نہیں ہے۔ ہر وقت، ہر دور میں موقع سے فائدہ اُٹھانا چاہیے۔ فردوسی نے اس حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے۔ وہ کہتا ہے:

به گفتار پیغمبر راست گوی

زگهواره تا گوردانش بجوی

جس طرح پہلی حدیث میں جنس وطبقہ کی کوئی قید نہیں لگائی گئی تھی اسی طرح دوسری حدیث میں بتایا گیا ہے کہ حصول علم کا کوئی خاص وقت اور کوئی خاص زمانہ بھی نہیں۔ یہ فریضہ وقت وزمان کی قید سے بھی آزاد ہے۔

ہوسکتا ہے کہ کوئی فرض کسی خاص وقت تک محدود ہو اور دوسرے زمانہ میں ادا نہ کیا جا سکتا ہو مثلاً واجب روزوں کا ایک خاص وقت معین ہے جو رمضان کا مبارک مہینہ ہے۔ دن رات میں نمازوں کے اوقات بھی مقررہ ہیں۔ نمازیں صرف معین اوقات ہی میں ادا کی جا سکتی ہیں۔ حج واجب ہے مگر ہر وقت نہیں کیا جا سکتا۔ اس کا خاص موسم ہے جو ماہ ذی الحجہ ہے لیکن فریضہ علم کیلئے نہ کوئی خاص وقت ہے نہ کوئی خاص زمانہ اور نہ کسی سن وسال کی تحدید ہے۔ اگر روزے کا موسم ماہِ رمضان، حج کا موقع، ماہ ذی الحجہ میں اور نماز ظہر کا وقت، ظہر سے عصر تک ہے تو تحصیل علم کا دور مہد سے لحد تک ہے۔ ایک اور حدیث سنیئے! تیسری حدیث میں آنحضرتؐ نے فرمایا:

اُطلُبو االعِلمَ وَلَو بِالصِّینِ

یعنی علم حاصل کرو چاہے اس مقصد کیلئے تمہیں دنیا کے کسی دور ترین مقام مثلاً چین کا سفر کرنا پڑے۔

بادی النظر میں چین کا نام اس لیے لیا گیا ہے ان دنوں چین ہی وہ بعید ترین جگہ تھی جہاں لوگ جا سکتے تھے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس زمانے میں چین ایک علمی اور صنعتی مرکز کے طور پر مشہور ہو۔

یہ حدیث کہتی ہے کہ تحصیل علم کیلئے کوئی جگہ اور کوئی مقام بھی مقرر نہیں جیسے کوئی وقت اور کوئی زمانہ معین نہیں۔

یہ ممکن ہے کہ کسی فرض کی ادائیگی کیلئے کوئی جگہ اور مقام مقرر ہو اور ہر جگہ اسے ادا نہ کیا جا سکتا ہو، جیسے مثلاً مناسک حج کی ادائیگی کیلئے جگہ مقرر ہے۔ مراسم حج صرف مکہ ہی میں ادا کیے جا سکتے ہیں یعنی صرف اس سرزمین پر جہاں سے آفتاب توحید واسلام طلوع ہوا اور جہاں سے اس کی روشنی ساری دنیا پر پھیلی اور جہاں وہ گھر ہے جس کو حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ نے تعمیر کیا۔ ایسا نہیں ہوسکتا کہ مسلمان باہمی اتفاق رائے سے مراسم حج کیلئے کسی اور جگہ کا انتخاب کرلیں۔ اس نقطۂ نظر سے اس فرض کی ادائیگی پر کچھ پابندیاں ہیں لیکن فریضۂ علم کی ادائیگی کیلئے کسی جگہ کی پابندی نہیں۔ جہاں بھی ہوسکے وہاں علم حاصل کیا جائے چاہے وہ مکہ ہو یا مدینہ، مصر ہو، شام ہو یا اعراق یا اور کوئی بعید ترین مقام ہو، مشرق میں ہو یا مغرب میں۔

ہمارے ہاں بہت سی احادیث ہیں جن میں حصول علم کیلئے سفر کرنے اور وطن سے دور جا کر علم حاصل کرنے کی فضیلت بیان کی گئی ہے حتیٰ کہ آیت کریمہ:

وَ مَن یَخرُ جِ مِن بَیتِہٖ مُھَاجِراً اِلَی اللّٰہِ وَ رَسُولِہٖ ثُمَّ یُدرِ کہُ المَوتُ فَقَد وَقَعَ اَجرُہ عَلَی اللّٰہِ (النساء:100) کی تفسیر بھی علم کیلئے وطن سے باہر جانے سے کی گئی ہے۔ ہماری ایک اور معتبر حدیث میں ہے:

لَو عَلِمتُم مَا فِی طَلَبِ العِلمِ لَطَلَبتُمُو ہُ وَلَو بِسَفکِ المُھَجِ وَ خَوضِ اللُّحَجِ

یعنی اگر تمہیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ حصول علم کی برکات کیا ہیں تو تم اس کیلئے اپنی جانیں لڑا دیتے اور سمندر بلو دیتے۔

چوتھی حدیث رسول اکرمؐ سے ان الفاظ میں مروی ہے: **اَلحِکمَۃُ ضَالَّۃُ المُؤمِنِ یَاخُذُھَا اَینَمَا وَجَدَھَا** ایک دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں: **کَلِمَۃُ الحِکمَۃِ ضَالَّۃُ المُؤمِنِ فَحَیثُ**

وَجَدَهَا فَهُوَ اَحَقُّ بِهَا۔

یعنی حکمت مومن کی گمشدہ متاع ہے جہاں بھی ملے لے لے۔ظاہر ہے جس کی کوئی چیز کھو جاتی ہے وہ ہاتھ پر ہاتھ دھر کر نہیں بیٹھتا بلکہ اسے تلاش کرتا ہے اور جہاں بھی ملتی ہے اسے اُٹھا لیتا ہے۔حکمت سے مراد صحیح، سچی اور پکی بات ہے۔ ہر وہ قاعدہ و قانون جو حقیقت سے مطابقت رکھتا ہے اور زائیدہ تخیل اور پروردہ اوہام نہیں حکمت ہے۔

حضرت علیؑ فرماتے ہیں:

اَلحِکمَۃُ ضَالَّۃُ المُؤمِنِ فَاطلُبُوهَا وَلَو عِندَ المُشرِکِ تَکُونُوا اَحَقَّ بِهَا وَاَهلَهَا

حکمت مومن کی گمشدہ متاع ہے، اگر مشرک کے پاس ملے تب بھی لے لو کیونکہ تم بحیثیت مومن کے علم و حکمت کے زیادہ مستحق ہو۔

آپ نے یہ بھی فرمایا:

اَلحِکمَۃُ ضَالَّۃُ المُؤمِنِ فَخُذِ الحِکمَۃَ وَلَو مِن اَهلِ النِّفَاقِ

اسی طرح کی بہت سی روایات ہیں۔خلاصہ سب کا یہ ہے کہ حصولِ علم کی صرف ایک شرط ہے اور وہ یہ کہ علم درست، صحیح اور واقع کے مطابق ہو۔اس سے کوئی سروکار نہیں کہ کس سے اور کہاں سے حاصل کیا جائے۔

یہ ضرور ہے کہ ایسا بھی وقت آتا ہے کہ آدمی کو کسی مضمون کی صحت میں تردّد ہوتا ہے۔ایسے موقع پر ان لوگوں کو جو صحیح و غلط میں امتیاز نہیں کر سکتے انہیں ہر کس و ناکس کی بات نہیں سننی چاہیے اور یہ دیکھنا چاہیے کہ وہ کسی ایسے ویسے سے متاثر نہ ہو جائیں۔اگر انہوں نے اس پر غور نہ کیا تو بسا اوقات گمراہی کا احتمال ہے لیکن اگر یہ معلوم ہو کہ بات صحیح ہے مثلاً کوئی طب یا طبیعیات سے متعلق دریافت یا اور کوئی ایسی ہی بات جس کی صحت کا یقین ہو تو حضرت علیؑ کے فرمانے کے مطابق اس کو ضرور سیکھنا چاہیے۔ہماری احادیث کی کتابوں میں حضرت عیسیٰؑ بن مریم کا یہ قول منقول ہے: خُذُوا الحَقَّ مِن اَهلِ البَاطِلِ وَلاَ تَاخُذُوا البَاطِلَ مِن اَهلِ الحَقِّ کُونُوا نُقَّادَ الکَلَامِ، اہل باطل بھی اگر حق بات کہیں تو اسے قبول کر لو لیکن اہل حق کوئی باطل بات کہیں تو اسے مت مانو۔خود بات کو پرکھو، بہرحال ان احادیث سے یہ ظاہر ہے کہ اس پر کوئی پابندی نہیں کہ کوئی مسلمان کس سے علم حاصل کرے۔بعض صورتوں میں یہ ممکن ہے کہ

کسی فرض کی ادائیگی پر اس لحاظ سے بھی پابندی ہو مثلاً نماز باجماعت میں اقتداء کے لیے شرط ہے کہ امام مسلمان ہو، مومن ہو، عادل ہو مگر تعلیم و تعلّم میں اس قسم کی کوئی قید نہیں۔

یہ وہ چار احادیث تھیں جو میں عرض کرنا چاہتا تھا۔اب میں وہ حکایت بیان کرتا ہوں جس کے عرض کرنے کا میں نے وعدہ کیا تھا۔اسی حکایت سے میں نے یہ چار احادیث انتخاب کی تھیں۔

ہمارے فاضل دوست جناب سید محمد فرزان بیان کرتے تھے کہ تحریک مشروطیت کے اوائل میں آغا سید ہبۃ الدین شہرستانی سلمہ اللہ، عراق سے عربی میں "العلم" کے نام سے ایک رسالہ نکالتے تھے۔یہ رسالہ دو تین سال تک نکلتا رہا اگرچہ میں نے خود اس کا کوئی شمارہ نہیں دیکھا۔اس رسالہ کی پشت پر بیچ صفحہ میں لفظ "العلم" خطِ نستعلیق میں بلاک کے ذریعہ چھپتا تھا اور اس کے اردگرد چاروں گوشوں کو ان ہی چار احادیث سے جو میں نے ابھی سنائیں مزین کیا جاتا تھا۔ایک دفعہ خود اسی رسالہ نے لکھا تھا کہ ایک دن ایک جرمن مستشرق اس رسالہ کے دفتر میں یا کسی اور جگہ شہرستانی صاحب سے ملاقات کیلئے آیا۔سید محمد فرزان صاحب نے جگہ کا نام لیا تھا مگر اب بہت دن کی بات ہوگئی۔اس نے رسالہ کی پشت پر یہی سب کچھ لکھا ہوا دیکھا۔اس نے پوچھا یہ رسالہ کی پشت پر کیا لکھا ہے۔اسے بتایا گیا کہ چار احکام ہیں جو علم کے بارے میں ہمارے پیغمبرؐ نے دیئے ہیں۔پھر ان احادیث کا ترجمہ اس کو سنایا گیا کہ پیغمبرؐ اسلام نے فرمایا ہے کہ علم کا حصول ہر مسلمان پر، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، فرض ہے۔آپ نے یہ بھی فرمایا ہے مہد سے لحد تک علم حاصل کرو، یہ بھی فرمایا ہے کہ علم حاصل کرنے کی کوشش کرو چاہے اس کیلئے چین ہی کیوں نہ جانا پڑے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ علم و حکمت مسلمان کی گمشدہ متاع ہے، جہاں ملے لے لے اور اس بات کو کوئی اہمیت نہ دے کہ کس سے لے رہا ہے۔

اس مستشرق نے کچھ دیر سوچا پھر کہنے لگا:

ارے! آپ کے پاس تو ایسی قیمتی ہدایات موجود ہیں کہ آپ کے پیغمبرؐ نے آپ پر علم فرض قرار دیا۔اس میں نہ تو جنس کا امتیاز ہے نہ زمان و مکان کا۔نہ معلم کے لحاظ سے کوئی پابندی ہے پھر بھی آپ لوگوں میں اس قدر جہالت ہے اور اتنے غیر تعلیم یافتہ لوگ موجود ہیں!!

واقعی یہ ایک معمّا ہے کہ یہ فرض جو سب کیلئے تھا کیسے متروک ہو گیا اور اس فرض کو فرض کیوں نہیں سمجھا گیا؟ ان احکام پر عمل کیوں نہیں ہوا؟ میں یہ تو نہیں کہوں گا کہ ان احکام پر کبھی عمل نہیں ہوا کیونکہ اسلام

نے دنیا میں ایک نادر الوجود علمی اور ثقافتی تحریک پیدا کی تھی اور اسلام صدیوں علم، ثقافت اور تہذیب و تمدن کا علمبردار رہا۔ یہ تحریک علم کے بارے میں اسلامی احکام ہی کا ثمرہ تھی۔ دین اسلام وہ دین ہے جس کی پہلی آیت میں جو اس کے پیغمبرؐ پر نازل ہوئی لکھنے، پڑھنے، علم، قلم اور تعلیم کا ذکر ہے۔

اِقرَا بِاسمِ رَبِّکَ الَّذِی خَلَقَ۔ خَلَقَ الاِنسَانَ مِن عَلَقٍ۔

اِقرَا وَ رَبُّکَ الاَکرَمُ۔ الَّذِی عَلَّمَ بِالقَلَمِ۔ عَلَّمَ الاِنسَانَ مَا لَم یَعلَم (سورہ العلق)

وہ دین جس کا پہلا اُصول توحید ہے، جو اس اُصول کی بنا پر تقلید و تعبّد کی کسی طرح اجازت نہیں دیتا۔ تحقیق اور جستجو کو لازمی قرار دیتا ہے۔ کیسے ممکن ہے کہ ایسا دین تہذیب و ثقافت اور علمی بیداری پیدا نہ کرے؟ لیکن جب آدمی ایک طرف تو یہ احکام دیکھتا ہے اور دوسری طرف ساتھ ہی یہ بھی دیکھتا ہے کہ ان احکام پر خصوصاً آخری چند صدیوں میں عمل نہیں ہوا جس کا نتیجہ سب کے سامنے ہے تو وہ حیران رہ جاتا ہے۔ اب دیکھنا چاہیے کہ اس کی وجہ کیا ہوئی؟

اسلام کے حکم پر عملدرآمد نہ ہونے کے اسباب:

اس کی ایک وجہ تو یقینی طور پر وہ واقعات تھے جو اسلامی معاشرے میں پہلے تو نظام خلافت کی وجہ سے ظہور پذیر ہوئے اور بعد میں ان کا سلسلہ جاری رہا۔ مسلمانوں کی زندگی میں عدم مساوات اور اونچ نیچ کا دخل ہوگیا اور ایک ایسا معاشرہ وجود میں آگیا جس میں طبقاتی امتیاز تھا جو اسلامی تعلیمات کے قطعاً خلاف ہے۔ معاشرہ دو طبقوں میں تقسیم ہوگیا، ایک طبقہ تو ان بدقسمت غریبوں پر مشتمل تھا جن کو روٹی بھی مشکل سے میسر آتی تھی اور دوسرا طبقہ مسرف، فضول خرچ اور مغرور امیروں کا تھا جن کی سمجھ میں یہ بھی نہیں آتا تھا کہ جو دولت ان کے قبضہ میں ہے اس کا کیا کریں۔ جب عام زندگی میں ایسا رخنہ بیدار ہوجائے تو نہ ایسے احکام کی طرف توجہ باقی رہتی ہے، نہ ان پر عمل درآمد کیلئے حالات سازگار رہتے ہیں بلکہ ایسے اسباب پیدا ہوجاتے ہیں کہ اس قسم کے احکام پر عمل ہی نہ ہوسکے۔

کچھ لوگ اس کی ایک اور وجہ بیان کرتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ علم کے بارے میں اسلامی احکام پر عمل درآمد نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ بجائے علم کے ایک دوسری بات کو فوقیت دے دی گئی اور علم کی ساکھ

باقی نہ رہی جیسے کوئی بنک میں حساب کھولے اور اس کی ساکھ ہو، بعد میں حکومت ساکھ کسی اور حساب کی طرف منتقل کردے۔

یہ لوگ کہتے ہیں کہ علم کے بارے میں اسلامی احکام کی ناکامی کی وجہ یہ ہے کہ اسلام نے علم کے بارے میں جو ترغیب دی تھی اور علم حاصل کرنے کی جو فضیلت بیان کی تھی، اس کی جگہ علماء کے احترام، ان کی دست بوسی کی ترغیب اور علماء کے فضائل کے بیان نے لے لی۔ لوگ بجائے اس کے کہ خود تعلیم حاصل کرتے اور حتیٰ المقدور اپنی اولاد کو پڑھاتے لکھاتے اور عالم بناتے، ان کی توجہ اس طرف مبذول ہوگئی کہ علماء کا احترام اور ان کی اطاعت کرکے ثواب کمائیں۔ نتیجہ وہی نکلا جو سب کے سامنے ہے۔

یہ بات بڑی حد تک درست ہے۔ اگرچہ بلند پایہ علماء و محققین ایسی بے راہ روی کے مرتکب نہیں ہوئے لیکن جو سطحی اور سادہ تحریریں عوام تک پہنچیں اور جو معمولی درجے کے وعظ انہوں نے سنے ان کا طرز فکر یہی تھا۔ عوام کو عموماً ایسی ہی تحریروں اور ایسے ہی مواعظ سے سابقہ پڑتا تھا۔

محققین نے اس موضوع پر اپنی کتابوں میں جو کچھ لکھا تھا اس سے انہیں واقفیت نہیں تھی۔ اگرچہ علماء اس بے راہ روی کے مرتکب نہیں ہوئے جس کا ہم نے ذکر کیا ہے۔ تاہم خود بعض علماء کی تحریروں اور تقریروں میں ایک اور طرح کا جمود اور انحراف کم و بیش دیکھنے میں آتا ہے جس نے علم کے بارے میں اسلامی احکام کی دھار ضروری کُند کردی ہے۔ وہ انحراف یہ ہے کہ ہر طبقہ اور ہر گروہ کے علماء نے اس پر زور دیا ہے کہ رسول کریمؐ نے جس علم کو فریضہ قرار دیا ہے وہ فقط وہی علم ہے جو ہمارے پاس ہے۔

جس طرح دینی تعلیم ضروری ہے اسی طرح مذہب نے اور بھی بہت سے کاموں کو فرض اور واجب قرار دیا ہے۔ ان کاموں کی تعلیم حاصل کرنا اور ان میں مہارت پیدا کرنا بھی اتنا ہی ضروری ہے مثلاً علاج معالجہ واجب کفائی ہے مگر اس فرض کی بجا آوری طبی علوم کی باقاعدہ تحصیل کے بغیر ممکن نہیں لہٰذا ان علوم کا حصول اور ان کی تعلیم بھی بجائے خود واجب ہے۔ یہی حال اور بہت سی چیزوں کا ہے۔ دیکھنے کی بات یہ ہے کہ وہ کون سے کام ہیں جن کی انجام دہی اسلامی معاشرہ کیلئے ضروری ہے اور وہ کام تعلیم و تعلم کے بغیر انجام نہیں دیئے جاسکتے۔ ان سب کاموں کا علم حاصل کرنا واجب ہے۔

فریضۂ علم ہر لحاظ سے معاشرہ کی مجموعی ضرورت کے تابع ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ کھیتی باڑی اور دست کاری کی ضرورت تھی لیکن تجارت اور سیاست کا علم حاصل کرنا ضروری نہیں تھا۔ لوگ تھوڑے دن کسی

لوہار یا بڑھئی کی شاگردی حاصل کر کے اور کچھ دن کسی سیاست دان، صناع یا تاجر کے ماتحت کام کر کے سیاستداں، صناع اور تاجر بن جاتے تھے لیکن آج دنیا کی حالت بدل گئی ہے۔ اب کوئی کام بھی تعلیم حاصل کیے بغیر مناسب طور پر اور اس طرح کہ اس سے موجودہ زندگی کی ضروریات پوری ہو سکیں نہیں ہو سکتا حتیٰ کہ ذراعت کیلئے بھی ضروری ہے کہ علمی و فنی اُصولوں کی بنیاد پر ہو۔ ایک سوداگر اگر معاشیات سے واقف نہیں تو وہ اونچے درجہ کا تاجر نہیں بن سکتا۔ کوئی سیاستداں اگر تعلیم یافتہ نہ ہو تو وہ ایک اچھا سیاستداں نہیں بن سکتا۔ آج کل ایسے بہت سے پیشے ہیں جن کیلئے تعلیم اور اپنے فن میں مہارت ضروری ہے۔ وہ کام جو پرانے زمانے میں تھوڑی سی مشق یا کسی استاد کی چند روز شاگردی سے آجاتے تھے۔ اب اس قدر بدل گئے ہیں کہ پیشہ وارانہ اسکولوں اور کالجوں میں داخلہ لیے بغیر ان کا سیکھنا بھی ممکن نہیں۔ اکثر کاموں کیلئے ٹیکنیشن اور فنی ماہرین درکار ہیں۔

اسلامی معاشرہ کی آزادی اور عزت کا اُصول:

ہمیں چند اُصول ذہن نشین کر لینے ضروری ہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ اسلام کس قسم کا معاشرہ چاہتا ہے؟ ظاہر ہے کہ اسلام ایک ایسا معاشرہ چاہتا ہے جس کی دنیا میں عزت ہو، جو آزادی و استقلال سے بہرہ ور ہو اور جس کو خود اپنے آپ پر اعتماد ہو۔ اسلام ہرگز یہ پسند نہیں کرتا کہ مسلمان کسی غیر مسلم قوم کے دست نگر یا محکوم ہوں۔ **لَن يَجعَلَ اللّٰهُ لِلكَافِرِينَ عَلَى المُؤمِنِينَ سَبِيلاً**۔ (النساء: 141) اللہ یہ پسند نہیں کرتا کہ کافروں کا مسلمانوں پر تسلط ہو۔ اسلام نہیں چاہتا کہ مسلمان ہمیشہ کاسۂ گدائی ہاتھ میں لیے دوسری قوموں سے قرض یا امداد کی بھیک مانگتے پھریں۔ اسلام یہ نہیں چاہتا کہ اسلامی معاشرے کی معاشی اور معاشرتی آزادی حاصل نہ ہو۔ اسلام یہ نہیں چاہتا کہ مسلمانوں کے پاس کافی معالج اور دوسرے وسائل نہ ہوں اور جب بیمار کی حالت نازک ہو جائے تو وہ اسے علاج کیلئے غیر مسلموں کے پاس بیرون ملک لے جائیں۔ یہ تو ہوا ایک اُصول۔

عزت اور استقلال کی بنیاد علم ہے:

دوسرا اُصول یہ ہے کہ اب دنیا اس قدر بدل گئی ہے کہ سب کام علم ہی سے چلتے ہیں۔ علم کے بغیر

زندگی کی مشین نہیں چل سکتی۔ انسانی زندگی کے تمام معاملات علم سے اس طرح وابستہ ہو گئے ہیں کہ کوئی کام اور زندگی کا کوئی معاملہ علم کے بغیر انجام نہیں پا سکتا۔

فریضۂ علم سارے فرائض کی کنجی ہے:

ایک اور اُصول یہ ہے کہ اسلام کے سارے فرائض و واجبات کی ادائیگی کا تعلق فریضۂ علم سے ہے۔ باقی سب فرائض و مقاصد کی بجا آوری کیلئے فریضۂ علم کو ایک ذریعہ اور کنجی قرار دیا گیا ہے۔ فقہاء کی اصطلاح میں حصول علم واجب ہے لہٰذا اگر مسلمانوں کے معاملات زندگی کوئی ایسی شکل اختیار کر لیں جس کا پہلے کی نسبت علم سے زیادہ تعلق ہو تو علم کی ضرورت، اہمیت اور وسعت میں بھی اضافہ ہو جائے گا۔

نتیجہ:

ان اُصولوں سے مجموعی طور پر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ سب مسلمانوں کا یہ شرعی اور عمومی فرض ہے کہ وہ علم کے حصول کی طرف توجہ دیں اور عام تعلیم حاصل کرنے کو ہر شخص پر واجب سمجھیں۔

فریضۂ علم کے مسئلہ کا فقہاء عموماً دو جگہ تذکرہ کرتے ہیں۔ ایک تو اُصول فقہ میں اس جگہ جہاں اصل برأت کی بحث میں دلیل کی تلاش کے وجوب پر زور دیتے ہیں، دوسرے جہاں تجارت کے مسائل کے ضمن میں تفقّہ کو واجب یا مستحب قرار دیتے ہیں۔ ممکن ہے واجبات پر اجرت لینے کے مسئلہ کے ضمن میں بھی اس موضوع پر کوئی اشارہ مل جائے جیسا کہ پیشتر عرض کیا جا چکا ہے۔ فریضۂ علم کے سلسلے میں فقہاء کی توجہ زیادہ تر شرعی احکام اور مسائل کا علم حاصل کرنے کی طرف رہی ہے۔

دینی اور غیر دینی علوم:

اصطلاحاً بعض علوم کو دینی اور بعض کو غیر دینی کہا جاتا ہے۔ دینی علوم وہ ہیں جن کا یا تو براہِ راست دین کے اعتقادی، اخلاقی یا عملی مسائل سے تعلق ہے یا وہ علوم ہیں جن پر دینی تعلیمات اور احکام و مسائل کا سمجھنا موقوف ہے جیسے عربی ادب یا علم منطق۔ ممکن ہے کسی کو یہ خیال آئے کہ باقی علوم کا تو دین سے کوئی تعلق نہیں اور اسلام میں جو علم کی فضیلت آئی ہے اور تحصیل علم کے اجر و ثواب کے بارے میں جو

کچھ کہا گیا ہے وہ ان ہی علوم سے مخصوص ہے جن کو اصطلاحاً دینی علوم کہا جاتا ہے۔ اگر رسول اکرمؐ نے علم کو فریضہ قرار دیا ہے تو اس سے مراد بھی یہی علوم دینیہ ہونگے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ تو محض ایک اصطلاح ہے۔ ایک لحاظ سے تو دینی علوم صرف قرآن شریف، سنت پیغمبر اور سنت اوصیائے پیغمبر تک محدود ہیں۔ صدرِ اسلام میں جب لوگ ابھی اچھی طرح اسلام سے بھی واقف نہیں تھے ہر شخص پر قرآن و سنت ہی کا علم حاصل کرنا واجب تھا۔ اس وقت کسی اور علم کا وجود ہی نہیں تھا۔ نہ علم کلام کا، نہ فقہ کا، نہ اُصول کا، نہ منطق کا، نہ اسلامی تاریخ کا اور نہ کسی اور علم کا۔ جو ایک حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا:

اِنَّمَا العِلمُ ثَلاثَةٌ: اٰیَةٌ مُحکَمَةٌ وَ فَرِیضَةٌ عَادِلَةٌ وَ سُنَّةٌ قَائِمَةٌ

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ علم آیات قرآن یاد کرنے اور احادیث نبوی معلوم کرنے سے مخصوص ہے تو یہ اس زمانے کے مسلمانوں کے حالات اور ضروریات کے مطابق ہے۔ بعد میں جب مسلمان قرآن و حدیث سے واقف ہو گئے، جو گویا اسلام کا قانونِ اساسی ہے تو انہوں نے حکم قرآن اور حدیث رسول سے یہ سمجھ لیا کہ مطلق علم کا حصول مسلمان کا فرض ہے۔

نتیجہ یہ نکلا کہ جو علم بھی اسلام اور مسلمانوں کیلئے مفید ہو اس کا شمار علوم دینیہ میں کرنا چاہیے۔ اگر کوئی شخص اسے خلوص نیت کے ساتھ اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کے جذبے کے ساتھ حاصل کرے گا تو وہ ضرور اس اجر و ثواب کا مستحق ہو گا جس کا ذکر ان احادیث میں ہے جو حصول علم کی فضیلت کے بارے میں آئی ہیں۔ ان پر یہ حدیث صادق آئے گی کہ:

اِنَّ المَلٰٓئِکَةَ لَتَضَعُ اَجنِحَتَهَا لِطَالِبِ العِلمِ۔ فرشتے طالبانِ علم کے نیچے اپنے پَر بچھاتے ہیں لیکن اگر نیت خالص نہ ہو تو پھر کسی علم کی تحصیل پر بھی کوئی اجر و ثواب نہیں، چاہے وہ آیات قرآنی کا ہی یاد کرنا کیوں نہ ہو۔

بنیادی طور پر تو یہ تقسیم ہی درست نہیں جس کے ذریعے سے ہم نے علوم کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ ایک دینی دوسرے غیر دینی اور جس کی وجہ سے کچھ لوگوں کو یہ وہم پیدا ہو گیا ہے کہ جو علوم اصطلاحاً غیر دینی کہلاتے ہیں ان کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں، اسلام کی جامعیت اور خاتمیت کا تقاضا ہے کہ جو علم بھی مفید ہو اور اسلامی معاشرے کیلئے لازمی اور ضروری ہو اسے دینی علم کہا جائے۔

عورتوں کی تعلیم:

چونکہ رسول اکرمؐ نے فرمایا ہے: **طَلَبُ العِلمِ فَرِیضَةٌ عَلٰی کُلِّ مُسلِمٍ** اور مسلم کا لفظ مذکر کا صیغہ ہے اس لیے یہ خیال ہو سکتا ہے کہ شاید تعلیم مردوں کے ساتھ مخصوص ہے۔

سب سے پہلے تو میں یہ عرض کروں گا کہ بعض روایات میں جو شیعہ کتب میں بھی موجود ہیں مسلم کے بعد مسلمة بھی مذکور ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس قسم کی عبارت سے اختصاص کا مفہوم پیدا نہیں ہوتا۔ مسلم کے معنی ہیں مسلمان، قطع نظر اس سے کہ وہ مرد ہو یا عورت جہاں کہیں بھی اس قسم کے الفاظ آئے ہیں عام حکم ہے مثلاً ایک حدیث ہے:

اَلمُسلِمُ مَن سَلِمَ المُسلِمُونَ مِن لِّسَانِهٖ وَ یَدِهٖ

یعنی مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔

ظاہر ہے کہ یہ مطلب نہیں کہ مرد کو تو ایسا ہونا چاہیے اور عورت کو نہیں یا ایک اور جگہ فرمایا گیا ہے:

اَلمُسلِمُ اَخُو المُسلِمِ۔ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، یعنی ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کے ساتھ بھائی کا سا برتاؤ کرنا چاہیے۔ کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ حکم مردوں سے مخصوص ہے کیونکہ یہ تو نہیں فرمایا کہ: **اَلمُسلِمَةُ اُختُ المُسلِمَةِ**

تیسری بات یہ ہے کہ فقہاء ایک اور اُصول بھی بیان کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ بعض قواعد کلیہ قابل تخصیص نہیں ہوتے۔ ان کا لب و لہجہ ہی بتلاتا ہے کہ تخصیص کی کوئی گنجائش نہیں۔ خود معاملہ بھی ایسا ہوتا ہے کہ اس میں عقلی لحاظ سے بھی امتیاز روا نہیں رکھا جا سکتا مثلاً قرآن مجید میں علم اور تقویٰ کے بارے میں ایک ہی قسم کا مضمون ہے۔

هَل یَستَوِی الَّذِینَ یَعلَمُونَ وَالَّذِینَ لَایَعلَمُونَ اِنَّمَا یَتَذَکَّرُ اُولُوا الاَلبَابِ۔ (الزمر: ۹)

کیا وہ جن کو علم ہے اور جن کو علم نہیں ہے، برابر ہیں؟ صرف اہل عقل ہی اس بات کو سمجھتے ہیں۔

تقویٰ کے متعلق ارشاد ہے:

اَم نَجعَلُ الَّذِینَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کَالمُفسِدِینَ فِی الاَرضِ اَم

نَجعَلُ المُتَّقِینَ کَالفُجَّارِ۔(ص:28)

کیا ہم ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک اعمال کیے ان لوگوں کے برابر کردیں جو دنیا میں فساد پھیلاتے ہیں؟ کیا ہم متقیوں اور فاجروں کو برابر کردیں؟

اسی طرح ارشاد ربانی ہے:

اِنَّ اَکرَمَکُم عِندَاللّٰہِ اَتقٰکُم۔(حجرات:13)

ان تمام موقعوں پر مذکر کا صیغہ استعمال ہوا ہے۔ اَم نَجعَلُ المُتَّقِینَ وَالمُتَّقِیات۔ نہیں کہا گیا۔ اسی طرح اِنَّ اَکرَمَکُنَّ عِندَاللّٰہِ اَتقٰکُنَّ۔ بھی نہیں فرمایا گیا۔ اب کیا اس بنا پر کہ مذکر کا صیغہ استعمال ہوا۔ یہ دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ ان آیات میں تقویٰ کے بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ صرف مردوں سے مخصوص ہے۔ عورتوں پر اس کا اطلاق نہیں ہوتا۔

اسلام علم کو روشنی قرار دیتا ہے اور جہل کو تاریکی، علم کو بینائی کہتا ہے اور جہل کو اندھا پن **قُل ھَل یَستَوِی وَالبَصِیرُ و الاعمی۔ اَم ھَل تَستَوِی الظُّلُمٰتُ وَالنُّورُ۔**(الرعد:16) ساتھ ہی اس علم کے بارے میں جو نور بینائی ہے، رسول اکرمؐ فرماتے ہیں: **طَلَبُ العِلمِ فَرِیضَۃٌ عَلٰی کُلِّ مُسلِمٍ**

کیا یہ تصور کیا جاسکتا ہے کہ اسلام کی نظر میں یہ صرف مردوں کا فرض ہے کہ وہ تاریکی سے نکل کر روشن فضا میں داخل ہوں اور عورتیں بدستور اندھیرے میں ہی بھٹکتی رہیں اور صرف مرد بینائی حاصل کریں اور عورتیں اندھے پن پر ہی قناعت کرلیں؟ ظاہر ہے کہ ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔ آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّمَا یَتَذَکَّرُ اُولُوا الاَلبَابِ

اس بات کو صرف اہل عقل ہی سمجھتے ہیں

مطلب یہ ہے کہ یہ بات بالکل واضح ہے اور جس کو ذرا بھی عقل ہے وہ اس کو بآسانی سمجھ سکتا ہے۔

ایک اور روایت میں رسول اکرمؐ کے متعلق ارشاد ہے:

یَتلُو عَلَیھِم اٰیٰتِہٖ وَیُزَکِّیھِم وَیُعَلِّمُھُمُ الکِتٰبَ وَالحِکمَۃَ

یعنی آنحضرتؐ اس لیے آئے ہیں کہ قرآن کی آیات لوگوں کو پڑھ کر سنائیں۔ ان کی روح

کو پاک کریں اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیں۔(سورہ جمعہ۔آیت ۲)

اس آیت میں تقویٰ اور تعلیم کا تذکرہ ایک ساتھ کیا گیا ہے اور سب جگہ مذکر ہی کا صیغہ استعمال ہوا ہے۔ اگر **یُزَکِّیھِم** کو مردوں سے مخصوص مان لیا جائے تو **یُعَلِّمُھُم** کو بھی مخصوص قرار دیا جاسکتا ہے۔

غلطی کس کی ہے؟

کچھ لوگ اس موقع پر فوراً کہہ اُٹھیں گے کہ جناب آپ یہ چاہتے ہیں کہ لڑکیاں بھی ان ہی مدرسوں میں تعلیم پائیں اور یہی تعلیم حاصل کریں۔ ایسے لوگوں سے کہنا چاہیے کہ اگر مدرسوں میں اور تعلیم میں کچھ خرابی ہے تو یہ بھی تو لوگوں ہی کا قصور ہے۔ اسلام نے تو علم کو فریضہ قرار دیا ہے اور ان طریقوں پر بھی زور دیا ہے جن سے معاملات کی اصلاح ہوتی ہے، یہ تو کوئی بات نہ ہوئی کہ ہم گھر میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں اور اس وقت کا انتظار کریں جب نظام تعلیم درست ہو اور سو فیصد اچھے اسکول قائم ہوں تاکہ ہم اپنے بچوں کو وہاں بھیج سکیں اور اگر محکمہ تعلیم اس میں کوتاہی کرے تو منہ بھر کر اس پر تنقید کرتے رہیں۔ یہ خود ہمارا اپنا فرض ہے کہ اچھے مدرسے قائم کریں اور عمدہ اور مناسب تعلیم کا انتظام کریں۔ بنیادی بات یہ ہے کہ جن لوگوں نے تعلیم کیلئے عمر بھر میں چھوٹے سے چھوٹا اقدام بھی نہیں کیا، نہ کسی تعلیمی ادارے کے قیام میں کوئی حصہ لیا، نہ اس دینی فریضہ کی بجا آوری کیلئے کچھ کیا جسے فریضہ علم کہا جاتا ہے، انہیں کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ بیٹھ کر تنقید کریں، تعلیم میں خرابی پیدا ہی اس لیے ہوئی ہے کہ ان محترم ناقدین نے اپنا مذہبی فریضہ انجام دینے کے سلسلے میں کچھ نہیں کیا۔

البتہ ایک بات کا تذکرہ ضروری ہے، جس وقت یہ فیصلہ کیا جائے کہ کن طلباء کو مضامین میں مہارت حاصل کرنی چاہیے تو اس وقت لڑکیوں کیلئے وہ مضامین تجویز کیے جائیں جو ان کے ذوق اور صلاحیت اور ان کی اور معاشرے کی ضرورت کے مطابق ہوں۔

کون کہہ سکتا ہے کہ معاشرے کو لیڈی ڈاکٹر، لیڈی سرجن، مڈوائف اور نرس کی ضرورت نہیں۔ کونسا گھرانہ ہے جہاں عورتوں کی مخصوص بیماریوں کی صورت میں بھی ان کی ضرورت نہ پڑتی ہو۔ کس قدر عجیب بات ہے کہ جب تعلیم نسواں کا ذکر آتا ہے تو کچھ لوگ سخت چراغ پا ہوتے ہیں لیکن جونہی ضرورت پیش آتی ہے، اپنی بیویوں اور بیٹیوں کو علاج کیلئے غیر مردوں حتیٰ کہ غیر مسلموں کے سپرد کردیتے ہیں۔

جہاد مقدس:

اب وقت آ گیا ہے کہ ہم نے جو کچھ بیان کیا ہے اس سے نتیجہ اخذ کریں۔ نتیجہ ان سب باتوں کا یہ ہے کہ عصر حاضر میں سب سے اہم فریضہ یہ ہے کہ تعلیم کو عام کیا جائے۔ یہ فرض صرف ارباب تعلیم پر ہی عائد نہیں ہوتا بلکہ ہر شخص کیلئے جو مسلمان ہے اور جو مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ چاہے وہ حکومت کا رکن ہو یا ملت کا ایک فرد، یہ ضروری ہے کہ اس سلسلے میں جہاد شروع کر دے۔ دین کے حکم پر عمل کرے اور دینی رنگ اختیار کرے۔ علمائے دین کو چاہیے کہ وہ پیش قدمی کا اعزاز حاصل کریں اور مومنین کو چاہیے کہ وہ علم اور مدرسہ سے خوف نہ کھائیں۔ یہ سمجھنا کہ تعلیم عام ہونے سے دین ختم ہو جائے گا، اسلام سے بدگمانی ہے۔ اسلام تو ایسا مذہب ہے جو علمی ماحول میں پھلتا پھولتا ہے۔ اگر ہمیں یہ احساس ہوتا کہ جہالت کی وجہ سے ہمارے اوپر کیا مصیبت نازل ہوئی ہے اور اس سے اسلام کو کس حد تک نقصان پہنچا ہے تو ہم علم کی بجائے جہالت و نادانی اور ناخواندگی سے گھبراتے اور خوف کھاتے۔

تعلیم حاصل کرنے کے بعد:

کبھی کبھی دیکھنے میں آتا ہے کہ بعض لوگ تعلیم سے اپنی وحشت چھپانے کیلئے یہ کہتے ہیں کہ ناخواندہ لوگوں سے ملک کو جتنا نقصان پہنچتا ہے تعلیم یافتہ لوگوں سے اس سے سوگنا زیادہ پہنچتا ہے۔ ان پڑھ تو محض ایک لٹیا چراتا ہے مگر پڑھے لکھے لاکھوں ہضم کر جاتے ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ صرف تعلیم معاشرے کی خوش بختی کی ضامن نہیں ہو سکتی۔ اس کیلئے دین و ایمان بھی ضروری ہیں۔ اسی طرح اگر ایمان کے ساتھ علم نہ ہو تو وہ بھی مفید ہونے کی بجائے وبال بن جاتا ہے۔

قَطَعَ ظَهرِی اثنَانِ عَالِمٌ مُتَهَتِّکٌ وَ جَاهِلٌ مُتَنَسِّکٌ

اسلام کو نہ بے دین عالم چاہیے، نہ دیندار جاہل

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اگر چور چراغ ہاتھ میں لے کر آئے گا تو وہ نفیس اور قیمتی مال چھانٹ کر لے جائے گا۔ اس فقرے کو تعلیم یافتہ بے ایمانوں پر منطبق کرنا اور اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ جہالت کی نسبت

علم زیادہ خطرناک ہے۔ ایک طرح کا مغالطہ ہے کیونکہ جو چور چراغ لے کر آتا ہے وہ رات کو آتا ہے، دن کو نہیں اور رات کو بھی اس وقت آتا ہے جب گھر والے غافل سو رہے ہوتے ہیں۔ دن کی روشنی میں یا جس گھر کے آدمی جاگ رہے ہوں، چور ہاتھ نہیں ڈال سکتا۔ تعلیم یافتہ بے ایمان بھی دوسروں کی جہالت، غفلت اور بےخبری سے فائدہ اُٹھاتے ہیں لہٰذا ان کی چوری میں بھی ناخواندگی کا دخل ہے۔ آپ اپنے ملک کو علم کی روشنی سے منور کیجئے اور ہر گھر میں دن کا اجالا پھیلا دیجئے۔ سب لوگوں کو بیدار، ہوشیار اور باخبر کر دیجئے۔ اس کے ساتھ ہی ایمان کی بنیاد مضبوط کرنے کی کوشش کیجئے۔ پھر کوئی چور چوری نہیں کر سکے گا۔ اس قسم کی چوریوں میں بیک وقت کئی چیزوں کا دخل ہے۔ چور کا علم، اس کی بے ایمانی اور عوام کی جہالت لہٰذا یہاں جہالت بھی شریکِ جرم ہے۔

بہرحال اگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہمارا دین صحیح ہو، غربت ختم ہو، بیماریوں سے نجات ملے، انصاف کا بول بالا ہو، آزادی اور جمہوریت نصیب ہو اور معاشرہ بیدار اور ہوشیار ہو تو اس کا واحد ذریعہ تعلیم اور صرف تعلیم ہے۔ تعلیم بھی وہ جو عام ہو اور دین کے ذریعے مقدس جہاد کی صورت میں حاصل ہو۔

اگر یہ مقدس جہاد شروع نہیں کریں گے تو دنیا شروع کرے گی اور اس کا فائدہ بھی وہی اُٹھائے گی یعنی جہالت کے بھنور سے ہمیں نجات دلانے کیلئے دوسرے آئیں گے اور پھر خدا ہی جانتا ہے کہ ہماری اس کوتاہی سے اسلام کو کیسی زک پہنچے گی۔

جہالت کے خلاف جدوجہد:

ان ہی دنوں میں نے ایک کتاب پڑھی ہے جس کا نام ہے "جہالت کے خلاف جدوجہد"۔ یہ کتاب یونیسکو نے شائع کی ہے۔ یونیسکو ایک ثقافتی ادارہ ہے جو اقوام متحدہ کی تنظیم سے وابستہ ہے۔ اس کتاب میں ان سرگرمیوں کا تذکرہ ہے جو یہ ادارہ پسماندہ ملکوں میں تعلیم پھیلانے کیلئے کر رہا ہے۔ ایک لحاظ سے تو یہ خوش آئند بات ہے کہ آخر کار مسلمانوں میں تعلیم عام کرنے کے اسباب پیدا ہو گئے ہیں اور توقع ہے کہ آہستہ آہستہ مسلمانوں سے ناخواندگی دور ہو جائے گی لیکن ایک دوسرے لحاظ سے یہ بہت افسوس کی بات ہے کہ ہم مسلمان اپنے فرائض سے اس قدر غافل ہیں کہ اس فرض کو پورا کرنے کیلئے بھی دوسرے لوگ سمندر پار سے آئیں، زحمت اُٹھائیں اور روپیہ خرچ کریں اور نہ صرف ہماری تعلیم کا انتظام

کریں بلکہ ہرلحاظ سے ہماری مدد بھی کریں۔صحت کے ادارے قائم کریں، بیماریوں کے خلاف جدوجہد کریں اورشہروں اورآبادیوں کو بہتر بنائیں۔

پاکستان اور افغانستان جیسے مما لک کے بعض ایسے دور افتادہ مقامات پر یونیسکو نے سماجی خدمات انجام دی ہیں اور تعلیم وصحت سے متعلق فلاحی کام کیے ہیں جہاں ہم میں سے کبھی کوئی نہیں گیا اور اگر کوئی گیا بھی تھا تو محض وجوہات شرعیہ (زکات وخمس وغیرہ) وصول کرنے کیلئے۔

اس کتاب میں جو اعداد وشمار دیئے گئے ہیں ان کے مطابق چند سال پہلے تک بعض اسلامی مما لک میں ناخواندگی کی شرح 96 فیصد تک تھی، یہ شرح تدریجی طور پر کچھ کم ہوئی ہے مگر اب بھی بعض جگہ 80 فیصد ہے غالباً 1962ء میں ایشیا میں یونیسکو کے نمائندوں کی ایک کانفرنس کراچی میں ہوئی تھی۔اس میں ایشیا میں خواندگی عام کرنے کیلئے ایک بیس سالہ منصوبہ پیش کیا گیا جو باقاعدہ اور صحیح اعداد وشمار کی بنیاد پر مرتب کیا گیا ہے اور جس میں تمام امکانات کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔یونیسکو نے عوام میں تعلیم کی رغبت اور اس کا شوق بھی پیدا کیا ہے۔اس کتاب میں لکھا ہے کہ کبھی کبھی افغانستان میں یہ بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ ایسا بڈھا جس کی گھنی ڈاڑھی اس کے سینہ پر پھیلی ہوئی ہے ناخواندگی دور کرنے کی کلاس میں اپنے بیٹوں اور پوتوں کے ساتھ لکھنے پڑھنے کی کوشش کررہا ہے۔

مجھے نہیں معلوم کہ یہ سب کام کس نیت اور کس مقصد کے تحت کیے جارہے ہیں۔ہوسکتا ہے کہ ان کے پس پشت بھی کچھ سامراجی مقاصد کارفرما ہوں۔اگر سامرجیت نے ہماری خدمت کے بہانے یہ بھی کوئی کھیل کھیلا ہے تو افسوس ہے ہماری حالت پر، جب میں یہ کہتا ہوں کہ مجھے معلوم نہیں کہ ان کی نیت اور غرض کیا ہے تو واقعی مجھے معلوم نہیں۔میرا یہ مقصد نہیں کہ میں بدگمانی کا اظہار کرکے ان کا تاہیوں کی پردہ پوشی کروں جو خود ہماری اپنی ہیں کیونکہ یہ ہم لوگوں کی عادت ہے کہ دوسروں کے کاموں کیڑے نکال کر ہم اپنے عیب اور کوتاہیاں چھپاتے ہیں۔اسی کتاب میں لکھا تھا کہ افریقہ کے کسی ملک میں ان لاکھوں اشخاص میں سے جو یورپ والوں سے تعصب رکھتے ہیں ایک شخص نے کسی یورپین سے کہا تھا کہ چونکہ اب تم یورپ والوں نے محسوس کرلیا ہے کہ تمہاری استعماری قوت کمزور ہوگئی ہے اور تمہاری سیاسی طاقت ختم ہوگئی ہے اس لیے تم خدمت خلق اور نیکی کے پردہ میں اپنا منہ چھپانا چاہتے ہو۔

ان کاموں میں ان کی نیت کچھ بھی ہو، اس سے تو ہمیں کوئی فرق نہیں پڑتا لیکن دیکھنا یہ ہے کہ اگر یہ

لوگ اپنی کوشش میں کامیاب ہوگئے اور اگلے بیس سال میں ان کی کوشش سے اسلامی ملکوں میں سب لوگ تعلیم یافتہ ہوگئے اور انہوں نے بیماریوں سے نجات پالی تو آئندہ نسلوں کے خیالات اسلام اور مسلمانی کی نسبت کیا ہونگے۔کیا آنے والی نسلیں یہ نہیں کہیں گی کہ ہم چودہ سو برس تک مسلمان اور دین محمدیؐ کے پیرو رہے لیکن جہالت اور بدبختی ہی میں زندگی گزارتے رہے۔بالآخر پیروانِ دین مسیحؑ نے سات سمندر پار سے آکر ہماری مدد کیلئے ہاتھ بڑھایا اور ہمیں جہالت سے نجات دلائی۔اس وقت اسلام کی کیا آبرو رہ جائے گی؟ ہم رسول اکرمؐ کو کیا جواب دیں گے، اگر انہوں نے پوچھا کہ میں نے تمہیں جو حکم دیا تھا کہ **طَلَبُ العِلمِ فَرِیضَۃٌ عَلٰی کُلِّ مُسلِم** اس پر تم نے عمل کیا؟

ایک قدرتی، فطری اور نفسیاتی قاعدہ ہے:

اَلاِنسَانُ رَھِینُ الاِحسَانِ، یعنی انسان احسان کا بندہ ہے۔

رسول خداؐ نے بھی فرمایا ہے:

مَن اَحیَا اَرضاً مَوَاتاً فَھُوَ لَہ، جس نے مردہ زمین کو زندہ کیا وہ اس کی ہے۔

اگرچہ یہ شرعی قانون ہے اور اس کا تعلق محض زمین سے ہے لیکن یہ قاعدہ فطری امور پر بھی صادق آتا ہے۔

جو گروہ باہر سے آکر کسی قوم کا احیا کرے گا اور اس قوم کو جہالت، غربت اور بدبختی سے نجات دلائے گا، وہ ضرور اس کے دل جیت لے گا اور اس کی روح اور عقیدے کا مالک بن جائے گا۔موجودہ صورتحال کے پیش نظر ہمیں اچھی طرح اس خطرہ کا احساس کرلینا چاہیے کہ آئندہ نسلوں پر ہمارا کوئی اختیار نہیں رہے گا۔ممکن ہے کہ کوئی یہ کہے کہ مسلمان ہرگز عیسائیت اختیار نہیں کرسکتا خصوصاً اگر تعلیم عام ہوجائے تو کوئی توحید چھوڑ کر تثلیت کی طرف مائل نہیں ہوگا۔

میں عرض کرتا ہوں، شاید یہ بات صحیح ہو لیکن یہ مسلّم ہے کہ اگر عیسائیت اختیار نہیں کریں گے تو اسلام سے بھی ان کا کوئی تعلق باقی نہیں رہے گا اور ممکن ہے کہ اس کا فائدہ کمیونسٹوں کو پہنچے۔اگر اسلامی ملکوں میں کسی وجہ سے بھی نوجوان دین سے بیگانہ ہوگئے تو کمیونزم کو نفع پہنچنا یقینی ہے۔لہٰذا اس خطرے کے خلاف جدوجہد ضروری ہے لیکن اس جدوجہد کا طریقہ کیا ہونا چاہیے۔کیا حسب معمول منفی طریقے اختیار کرنے چاہئیں؟ کیا ہم یہ واویلا مچائیں کہ یونیسکو کو کوئی حق نہیں کہ مسلمانوں کی تعلیم کا انتظام کرے اور اس مقصد کیلئے کوئی کوشش کرے اور روپیہ خرچ کرے؟ عالمی خیراتی اداروں کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ

اسلامی ملکوں میں بیماریوں کے خلاف جدوجہد کریں۔ ان سے کیا مطلب؟ وہ خواہ مخواہ دخل در معقولات کرتے ہیں!

آپ خود سوچیں کیا اس طرح کی بات صحیح ہوگی؟ کیا یہ بات دنیا کے دل کو لگے گی؟ کیا خود مسلمان ملک ہماری بات کو تسلیم کرلیں گے؟ یا پھر دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ہم کمر ہمت باندھ کر مقدس جہاد شروع کریں اور اپنے فرض کو خود عملاً پورا کریں۔ ظاہر ہے کہ یہ دوسرا طریقہ ہی صحیح ہے۔

اسی کتاب میں لکھا تھا کہ انڈونیشیا میں جو ایک اسلامی ملک ہے بلکہ سب سے بڑا اسلامی ملک ہے تعلیم نے ایک مقدس جہاد کی شکل اختیار کرلی ہے جس پر لوگ مذہبی فرض کی طرح عمل کرتے ہیں۔ جو شخص کچھ جانتا ہے، چاہے اس کا تعلق کسی پیشہ سے ہو وہ اپنی ذمہ داری سمجھتا ہے کہ مدرسہ میں جا کر تعلیم دے کیونکہ سرکاری معلم تمام مدارس کیلئے کافی نہیں ہیں۔

یہی اسلام کا بھی حکم ہے جس نے تعلیم حاصل کرنا ہر شخص پر واجب قرار دیا ہے۔ موجودہ دور میں اس حکم پر عمل کی وہی صورت ہے جس پر اس کتاب کے مطابق انڈونیشیا میں عملدرآمد ہو رہا ہے۔

خدمت اور نیکی میں مقابلہ:

سورہ مائدہ کی 48ویں آیت میں قرآن اور دوسری آسمانی کتابوں کے تذکرہ کے بعد ادیان گزشتہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے:

لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنكُمْ شِرْعَةً وَّ مِنْهَاجاً۔ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِن لِّيَبْلُوَكُمْ فِيمَآ آتٰكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ۔

ہم نے تم میں سے ہر قوم کیلئے ایک خاص راستہ اور طریقہ مقرر کیا ہے۔ اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ملت بنا دیتا لیکن جو کچھ تمہیں دیا گیا ہے اس کے بارے میں تمہیں آزمانے کیلئے (ایسا نہیں کیا گیا) پس نیک کاموں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت میں بعض دوسری قرآنی آیات کی طرح ملتوں کے اختلاف کی حکمت اور مصلحت بیان کی گئی ہے اور شاید حکمت و مصلحت، جیسا کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے، یہ ہے کہ مختلف ملتیں نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے سے مقابلہ کریں تا کہ جو ملت زیادہ لائق و قابل ہو وہ

اس مقابلہ میں کامیاب ہو۔ اس کے بعد مسلمانوں سے کہا گیا ہے کہ تم کوشش کرو کہ اس مقابلہ میں کامیابی تمہیں نصیب ہو۔

لہٰذا اس خطرے کا مقابلہ کرنے کا طریقہ یہ نہیں کہ ہم یونیسکو کی سرگرمیوں میں رکاوٹ ڈالیں بلکہ صحیح طریقہ یہ ہے کہ ہم خود اس کام میں پیش قدمی کریں اور اس میں کامیابی کا تمغہ اپنے سینہ پر سجائیں۔ میں ایک بار پھر کہتا ہوں کہ جب تک اس مقصد کیلئے مقدس جہاد شروع نہیں کیا جائے گا اور مذہبی علماء اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ نہیں لیں گے اور اس کام کو سب کاموں پر ترجیح نہیں دیں گے اور اس کو واجب نہیں سمجھیں گے کوئی کامیابی نہیں ہوگی۔

بات طویل ہوگئی، اگر میں چاہتا تو اس دوران میں وہ سب کچھ بیان کر دیتا جو اسلام نے علم کے بارے میں کہا ہے اور آپ کو بتلاتا ہے کہ اسلام نے یہ کہا ہے اور وہ کہا ہے بالفاظ دیگر اسلام کی تبلیغ اور پروپیگنڈہ کرتا لیکن جیسا کہ میں نے آغاز سخن میں عرض کیا تھا میں اس قسم کے پروپیگنڈے کا قائل نہیں اور میرے خیال میں اس کا اثر بھی نہیں ہوتا۔ میں اس کو ترجیح دیتا ہوں کہ بجائے اس قسم کے پروپیگنڈے کے ہم اپنی اپنی موجودہ حالت اور اس کی اصلاح کیلئے اپنے فرض کی بات کریں۔ جب ہم سنجیدگی سے واقعی کام شروع کر دیں گے اور اس مقدس جہاد میں شریک ہو کر اس میں پیشرفت کریں گے اس مقدس جہاد میں شریک ہو کر اس میں پیشرفت کریں گے، اس وقت سر اُٹھا کر فخر سے کہہ سکیں گے کہ اسلام یہ کہتا ہے کہ **طَلَبُ العِلمِ فَرِيضَۃٌ عَلٰى كُلِّ مُسلِم**

سوالات

سوال ۱: حدیث "طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم" کا مطلب کیا ہے؟

سوال ۲: اسلام کے حکم (طلب علم) پر عملدرآمد نہ ہونے کے اسباب کیا ہیں؟

سوال ۳: اسلامی معاشرے کی آزادی اور عزت کا اُصول کیا ہے؟

سوال ۴: دینی اور غیر دینی عوام سے کیا مراد ہے؟

سوال ۵: خواتین کی تعلیم حاصل کرنے کی اہمیت بیان کریں؟

سوال ۶: جہالت کے خلاف جدوجہد کیسے کی جاتی ہے؟

۲۔ اسلام اور علم

اہداف:

1۔ دین اور علم میں آپس میں کیا ہم آہنگی ہے؟

2۔ اسلام مین علم کی تاکید بارے جاننا۔

3۔ علم کے بارے میں قرآن کا طرز فکر آگاہی۔

ہماری آج کی گفتگو کا موضوع ہے اسلام اور علم۔۔۔۔ دوسرے لفظوں میں آج کی بحث علم کے بارے میں اسلام کے نقطہ نظر سے متعلق ہے۔ ہماری پچھلی گفتگو کا موضوع دنیا، زندگی اور دنیا کی نعمتوں کے متعلق اسلام کا نقطہ نظر تھا۔ اب کی مرتبہ یہ بحث ہے کہ آیا دین اور علم میں آپس میں ہم آہنگی ہے یا ایک دوسرے کے منافی ہے؟ علم کے بارے میں دین کیا کہتا ہے اور دین کے بارے میں علم کا خیال ہے؟ اس موضوع پر قدیم زمانے سے بحث ہوتی آئی ہے اور دنیا اور عالم اسلام میں قابل قدر کتابیں اس موضوع پر لکھی گئی ہیں۔

دو طبقوں نے اس بات کی کوشش کی ہے کہ دین اور علم کو ایک دوسرے کا مخالف ظاہر کریں۔ ایک طبقہ تو وہ ہے جو اپنے آپ کو دین کا ٹھیکیدار ظاہر کرتا ہے لیکن ہے جاہل۔۔۔ یہ طبقہ دین کے نام پر روٹی کماتا ہے اور لوگوں کی جہالت سے فائدہ اٹھاتا ہے اس لیے یہ چاہتا ہے کہ لوگ جاہل ہی رہیں تاکہ دین کا نام لے کر اپنے عیبوں کی پردہ پوشی کرتا رہے۔ یہ دین کے ہتھیار سے تعلیم یافتہ لوگوں کو شکست دینا اور ان کا مقابلہ کے میدان سے نکالنا چہتا ہے اور لوگوں کو یہ کہہ کر ڈراتا ہے کہ دین اور علم دونوں میں تضاد ہے ۔ دوسرا طبقہ ان تعلیم یافتہ لوگوں کا ہے جو اپنی انسانی اور اخلاقی ذمہ داریاں پوری کرنے سے گریزاں ہیں۔ یہ اپنی بے راہ روی اور آزاد خیالی کا جواز تلاش کرنے کے لیے علم کا سہارا لیتے ہے اور اپنی مذہب سے دوری کے لیے بہانہ تلاش کرتے ہیں کہ مذہبی عقائد و اعمال علمی اصولوں پر پورا نہیں اترتے۔

ایک تیسرا طبقہ بھی ہے جسے اللہ نے علم اور دین دونوں نعمتوں سے نوازا ہے۔ اس کو ان دونوں کے درمیان کوئی تضاد نہیں معلوم ہوتا اور اس کی یہ کوشش رہی ہے کہ یہ دو گروہ علم اور مذہب کے متعلق جو غلط فہمیاں پھیلاتے رہے ہیں ان کو دور کیا جائے۔

ہم اسلام اور علم کے متعلق دو پہلوؤں سے گفتگو کر سکتے ہیں۔ ایک پہلو اجتماعی اور دوسرا مذہبی ۔۔ اجتماعی پہلو سے ہم یہ غور کر سکتے ہیں کہ آیا اسلام اور علم میں عملاً ہم آہنگی ہے یا نہیں۔ کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی شخص صحیح معنوں میں مسلمان بھی ہو یعنی اسلام کے اصولوں اور بنیادی عقائد پر بھی ایمان رکھتا ہو اور دینی احکام پر بھی عمل کرتا ہو اور ساتھ ہی عالم بھی ہو؟ یا ان دونوں باتوں میں سے ایک کا انتخاب ضروری ہے۔ اگر اس پہلو سے گفتگو کی جائے تو تو سوال یہ نہیں ہوگا کہ اسلام علم کے بارے میں کیا کہتا ہے اور علم اسلام کے بارے میں کیا کہتا ہے اور اسلام کس قسم کا مذہب ہے۔ گفتگو فقط اس پر ہوگی کہ کیا اجتماعی نقطہ

نظر سے یہ ممکن ہے کہ ایک ہی وقت میں آدمی مسلمان بھی ہو اور صاحب علم بھی یا اسلام اور علم میں سے ایک کو ترک کرنا ضروری ہے؟ بحث کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ ہم دیکھیں کہ علم کے بارے میں اسلام کا کیا نقطہ نظر ہے اور اسلام کے بارے میں علم کی کیا رائے ہے۔ اس سوال کے بھی دو جزو ہیں۔

پہلا جزو یہ ہے کہ علم کے بارے میں اسلام میں کیا احکام ہیں۔ کیا اسلام علم کو خطرناک اور اپنا مد مقابل سمجھتا ہے؟ یا اس کے برعکس پورے خلوص اور جرات اور اطمینان سے علم حاصل کرنے کی ترغیب دیتا اور اس کا شوق دلاتا ہے؟ سوال کا دوسرا جزو یہ ہے کہ اسلام کے بارے میں علم کا کیا خیال ہے؟ ظہور اسلام اور نزول قرآن کو چودہ سو برس ہو چکے ہیں۔ اس عرصے میں علم برابر ترقی کرتا رہا۔ خصوصا پچھلی تین چار صدیوں میں تو علمی ترقی میں عظیم انقلاب آیا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ علم کی اپنی اس کامیابی اور ترقی کے بعد اسلام کے عقائد اور اسلام کے عملی اور اخلاقی اور اجتماعی احکام کے بارے میں علم کا خیال ہے؟ آیا علم اسلام کے عقائد اور احکام کو تسلیم کرتا ہے یا نہیں اور اس کی نظر میں ان کی وقعت میں اضافہ ہوا ہے یا کمی؟

ان میں سے ہر جزو اس قابل ہے کہ اس پر بحث اور تحقیق کی جائے۔ ہم صرف ایک جزو کو لیتے ہیں ،یعنی علم کے بارے میں اسلام کے نقطہ نظر کو۔

اسلام میں علم کی تاکید:

اس بارے میں کہ اسلام نے علم پر جس قدر زور دیا ہے شاید ہی کسی اور بات پر دیا ہو، کوئی شبہ نہیں۔

قدیم ترین زمانے سے جو اسلامی احکام کی کتابیں تصنیف ہوتی رہی ہیں ان میں روزہ، نماز، حج، جہاد اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جیسے احکام کے ساتھ ساتھ ایک باب، وجوب طلب علم، کے عنوان سے بھی ہوتا ہے اور علم کو ایک فریضہ تسلیم کیا گیا ہے

قرآن کریم کی آیات سے قطع نظر رسول خدا کے علم کے بارے میں صریح اور واضح الفاظ میں بار بار تاکید موجود ہے اور اس پر سب مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ رسول خدا نے فرمایا

یعنی علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض اور واجب ہے۔ اس میں کسی خاص طبقہ اور جنس کی کوئی تخصیص نہیں۔ ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ علم حاصل کرنے کی کوشش کرے۔

آنحضرت نے فرمایا کہ: اُطلبوا العلم ولو بالصّین، علم حاصل کرو چاہیے تمہیں چین جانا پڑے ۔یعنی دنیا کے جس حصے میں بھی علم ہو وہاں جا کر اسے حاصل کرو۔

ایک اور حدیث ہے: کلمة الحکمة ضالّة المومن فحیث وجدھا فھو احقّ بھا، علمی اور متیقن بات مومن کی گمشدہ متاع ہے، اسے جہاں ملے اپنا حق سمجھ کر لے لو۔ امیر المومنین حضرت علیؑ نے اس کی اور وضاحت کی ہے۔ آپؑ نے فرمایا:

علم وحکمت مومن کی گمشدہ متاع ہے۔ اگر مشرک کے پاس بھی ہے تو اس کو حاصل کر لو، تم اس کے زیادہ حقدار ہو اور وہ تمہاری چیز ہے۔ علم ایک ایسا فرض ہے جس میں نہ سیکھنے والے کی خصوصیت ہے نہ سکھانے والے کی، نہ زمانے کی، نہ جگہ کی، اس کے متعلق جتنی تاکید کی گئی ہے اس سے زیادہ ممکن نہیں۔

کونسا علم:

بحث طلب بات کچھ اور ہے اور وہ یہ کہ علم سے کونسا علم مراد ہے؟ کوئی کہتا ہے کہ یہ سب تاکید خود دین کے علم کے بارے میں ہے لیکن اگر اسلام کی نظر میں صرف علم دین ہی علم ہو تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اسلام نے خود اپنے متعلق معلومات حاصل کرنے کی نصیحت اور تاکید کی ہے اور حقائق کائنات اور معاملات عالم سے واقفیت حاصل کرنے کے بارے میں کچھ نہیں کیا۔ اس طرح بات وہیں کی وہیں رہی کیونکہ کوئی بھی مسلک چاہیے وہ علم وآگاہی کا کتنا مخالف کیوں نہ ہو اور اسے لوگوں کی ذہنی سطح کا بلند ہونا کیسا بھی ناگوار کیوں نہ ہو خود اپنے متعلق واقفیت حاصل کرنے کے مخالف نہیں ہو سکتا بلکہ وہ یہی کہے گا کہ مجھ سے واقفیت پیدا کرو۔ کسی اور سے واقف ہونے کی ضرورت نہیں اگر علم سے مراد خاص طور پر علم دین ہی ہو تو یہ کہنا چاہیے کہ اسلام قطعی علم کا حامی نہیں ہے اور علم کے بارے میں اسلام کا رویہ منفی ہے۔

جو شخص اسلام اور اسلام کے طرز فکر سے واقف ہے وہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ اسلام کی نظر میں علم صرف دینی علوم کا نام ہے۔ یہ خیال صرف مسلمانوں کے طرز عمل کا نتیجہ ہے کہ انہوں نے پچھلی صدیوں میں آہستہ آہستہ اپنی معلومات کا دائرہ تنگ اور محدود کر لیا ہے، ورنہ جہاں امیر لمومنین فرماتے ہیں کہ حکمت مومن کا گمشدہ مال ہے اور اگر مشرک کے پاس بھی ہو تو اپنے قبضے میں لے لو وہاں اس حکم کے دینی علوم سے مختص ہونے کے کوئی معنی نہیں۔ کسی مشرک کا دینی علوم سے کیا تعلق پھر اس فقرے میں کہ

چین کا نام ایک تو اس لحاظ سے لیا گیا ہے کہ وہ بعید ترین مقام تھا اور دوسرے اس لحاظ سے کہ اس زمانے میں جو علم وصنعت کے مرکز تھے وہ ان میں سے ایک تھا بہر حال یہ مسلم ہے کہ نہ اس زمانے میں، نہ کسی زمانے میں، چین دینی علوم کا مرکز کبھی نہیں رہا۔

اس کے علاوہ احادیث نبوی میں اس کی وضاحت ہے کہ علم سے کیا مراد ہے۔ مگر اس طرح نہیں کہ فلاں علم مراد ہے اور فلاں نہیں بلکہ علم سے مراد علم نافع ہے۔ یعنی ہر وہ علم جس کے جاننے سے فائدہ ہو اور نہ جاننے سے نقصان بشرط یہ کہ اس کے فائدے کو اسلام بھی مانتا ہو یعنی اس علم کے حاصل کرنے سے جو اثر ہو اسلام اس کو مفید اور اچھا سمجھتا ہو۔ اسلا کی نظر میں ہر ایسا علم اچھا ہے اور اس کو حاصل کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔

لہذا یہ بات تو صاف ہوگئی۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا چیز اسلام کی نظر میں مفید ہے اور کیا چیز مضر؟ ہر وہ علم جو اسلام کے کسی انفرادی یا اجتماعی مقصد میں مدد دیتا ہو اسلام اس کے حاصل کرنے کا مشورہ دیتا ہے۔ ہر وہ علم جس کا اسلام کے انفرادی یا اجتماعی مقاصد پر کوئی اثر نہ پڑتا ہو اسلام کی اس کے بارے میں کوئی خاص رائے نہیں ہے اور وہ علم جس سے اسلام کے مقاصد کو نقصان پہنچتا ہو اسلام کے مخالف ہے
۔

آئمہ دین کی سیرت:

ہم شیعہ ہیں اور آئمہ اطہار کو نبی اکرم (ص) کا وصی مانتے ہیں۔ ان کی سیرت اور قول ہمارے لیے سند ہے۔ جیسا کہ معلوم ہے پہلی صدی ہجری کے آواخر اور دوسری صدی کے اوائل سے مسلمان دنیا کے علوم سے آشنا ہوے۔ انہوں نے مختلف علوم پر یونان، ہندوستان اور ایران کی کتابوں کا ترجمہ شروع کیا۔ دوسری طرف ہمیں معلوم ہے کہ آئمہ اہلبیت نے خلفاء کے کاموں پر کبھی بھی تنقید میں کمی نہیں کی۔ ہماری کتابیں اس تنقید سے بھری ہوئی ہیں۔ اگر اسلام علم کے مخالف ہوتا اور علم سے مذہب کو نقصان پہنچتا تو آئمہ خلفاء کی اس بات پر ضرور تنقید کرتے کہ انہوں نے ایک وسیع ادارہ مترجموں اور نقل نویسوں کا کیوں قائم کیا تھا اور علم ہیت، منطق، فلسفہ، تاریخ، حیوانات اور ادب جیسے علوم کی طرح طرح کی کتابوں کا ترجمہ کیوں کر رہے تھے۔ جس طرح آئمہ اہلبیت نے خلفاء کے دوسرے کاموں پر اعتراض

کیا ہے اس بات پر بھی اعتراض کر سکتے تھے، بلکہ اس بات پر تو ان کی تنقید عوام میں بہت مقبول ہوتی۔ اگر وہ اسے (ہمارے لیے اللہ کی کتاب کافی ہے) کے عنوان سے بیان کرتے، مگر اس ایک سو ساٹھ سال کی مدت میں جو اس قصہ کی ابتدا سے امام آخرالزمان کی غیبت کے درمیان گزرا اس طرح کی کوئی تنقید دیکھنے میں نہیں آئی۔

قرآن کا طرز فکر:

ان سب باتوں سے قطع نظر علم کے بارے میں جو قرآن کا طرز فکر ہے اس میں کسی علم کی کوئی تخصیص نہیں۔ قرآن علم کو نور اور جہل کو ظلمت قرار دیتا ہے اور کہتا ہے کہ ہر صورت میں نور کو ظلمت پر ترجیح ہے

قرآن صراحت کے ساتھ کچھ موضوعات کو مطالعے اور غور وفکر کے لیے تجویز کرتا ہے۔ یہ موضوع وہی ہے جن کے مطالعے کے نتیجے میں یہ سب علم جو دنیا میں ہم دیکھتے ہیں وجود میں آئے جیسے طبعیات، ریاضی، حیاتیات، تاریخ وغیرہ۔ سورہ بقرہ کی آیت 159 میں اللہ تعالی فرماتا ہے:

بلاشبہ آسمانوں کے اور زمین کے بنانے میں اور یکے بعد دیگرے رات اور دن کے آنے میں اور جہازوں میں جو سمندر میں چلتے ہیں انسان کے فائدے کے لیے اور اس بارش کے پانی میں جو اللہ زمین پر برساتا ہے اور پھر زمین کو خشک ہونے کے بعد تر و تازہ کرتا ہے اور جس میں اس نے ہر طرح کے جانور پھلائے ہیں اور ہواؤں کی گردش اور ابر کا مخصوص حالت میں کہ زمین وآسمان کے درمیان معلق رہنا، ان سب میں اللہ کی حکمت وقدرت کی نشانیاں ہیں، ان لوگوں کے لیے جو عقل سلیم رکھتے ہیں۔

یعنی ان سب کے کچھ قانون اور نظام ہیں، اگر تم ان سب کو سمجھ لو تو وہ تمہارے لیے توحید باری تعالی تک رسائی کا ذریعہ بن جائیں۔ قرآن نے صراحت کے ساتھ ان امور پر غور کرنے کی دعوت دی ہے اور ہمیں معلوم ہے کہ ان ہی کے مطالعے سے فلکیات، ارضیات، بحریات، حیوانات اور فضا کا علم وجود میں آئے ہیں۔ یہی بات سورہ جاثیہ کی دوسری سورہ فاطر کی پچیسویں اور دوسری آیات میں کہی گئی ہے۔

قرآن وہ کتاب ہے جس کی ان آیات میں جو سب سے پہلے نازل ہوئیں، پڑھنے لکھنے اور علم کے ذکر سے بات شروع کی گئی ہے۔ وحی کا آغاز ہی ان چیزوں سے ہوا ہے۔

اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ O خَلَقَ الْإِنسَانَ مِنْ عَلَقٍ O اقْرَأْ وَرَبُّكَ

الْأَکْرَمُ O الَّذِی عَلَّمَ بِالْقَلَمِ

پڑھو اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا انسان کو خون کے لوتھڑے سے ، پڑھو کہ تمہارا پروردگار کریم ہے جس نے سکھایا لکھنا قلم سے (سورہ علق۔ آیت ۱ تا ۴)

توحید اور علم:

اسلام وہ مذہب ہے جس کا بنیادی عقیدہ توحید ہے۔ یہ سوچنے اور سمجھنے کا سوال ہے۔ اس میں دوسروں کی تقلید یا بغیر سمجھے ایمان لانے کی گنجائش نہیں، اس لیے اس کو دلیل سے سمجھنا ضروری ہے۔ اگر اسلام کا عقیدہ ثنویت یا تثلیث ہوتا جب تو وہ اپنے اس عقیدے پر کبھی بھی بحث کی اجازت نہ دیتا۔ اور اس کو ممنوعہ علاقہ قرار دینے پر مجبور ہوتا لیکن اسلام کا آغاز توحید سے ہوا ہے، اس لیے اسلام اس مسئلے پر غور و فکر اور بحث کی نہ صرف ممانعت نہیں کرتا بلکہ غور و فکر کو ضروری سمجھتا ہے۔ قرآن کی رو سے اس مسئلہ پر غور و فکر کا آغاز کائنات کا مطالعہ سے ہوتا ہے جس کی تعلیم و تعلم پہلی شرط اور فکر و استدلال کی قوت ضروری ساز و سامان ہے۔

یہی وہ موضوع ہے جو قرآن نے مطالعہ کے لیے پیش کیا ہے۔ رہی یہ بات کہ مسلمانوں کو ان موضوعات کے مطالعے کی بہت کم توفیق ہوئی ہے اور انہوں نے زیادہ تر ان موضوعات میں دلچسپی لی جن کے لیے قرآن کریم میں کوئی حکم نہیں ہے تو یہ ایک الگ بات ہے اور اس کی خاص وجوہ ہیں جن پر بحث کا یہ موقع نہیں۔

ان سب قرینوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کی نگاہ دینی علوم تک محدود نہیں ہے۔ یہ مسئلہ قدیم زمانے سے بحث طلب رہا ہے کہ جس علم کو اسلام نے واجب کہا ہے اس سے کونسا علم مراد ہے؟ ہر گروہ کی یہی کوشش رہی ہے کہ اس حدیث نبوی کا مصداق اس علم کو قرار دیں جو اس کا اپنا علم ہو اور جس میں اس کی دلچسپی ہو۔ متکلمین نے کہا ہے کہ علم سے علم کلام مقصود ہے، مفسرین نے کہا ہے کہ علم تفسیر مراد ہے، محدثین نے کہا ہے کہ علم حدث مراد ہے، فقہاء نے کہا ہے کہ علم فقہ مراد ہے، کیونکہ ہر شخص کے لیے ضروری ہے کہ یا تو وہ مقلد ہو یا مجتہد۔۔۔ علمائے اخلاق نے کہا ہے کہ علم اخلاق مراد ہے جو یہ بتلاتا ہے کہ کونسے اوصاف باعث نجات ہیں اور کونسی صفات سبب ہلاکت۔۔۔ صوفیاء کہتے ہیں کہ علم سیر و سلوک اور توحید عملی

کا علم مراد ہے۔

غزالی نے اس ضمن میں بیس مختلف قول نقل کیے ہیں لیکن جیسا کہ محققین نے کہا ہے ان میں سے کوئی علم بھی مقصود نہیں۔ اگر کوئی خاص علم مقصود ہوتا تو جناب رسالت ماب اس کی تصریح فرمادیتے۔ حقیقت میں علم سے ہر وہ علم مراد ہے جو مفید ہو اور کام آئے

علم ذریعہ ہے یا مقصد:

اگر ایک نقطہ ذہن میں رکھا جائے تو مطلب بخوبی حل ہوجاتا ہے اور ہم یہ اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں کہ علم سے اسلام کی مراد کیا ہے۔ پہلے یہ دیکھنا چاہیے کہ اسلام کی نظر میں علم مقصد ہے یا ذریعہ۔۔ بلاشبہ علم خود مقصد ہے جیسے خدا کی ذات وصفات کا علم یا وہ دوسرے علوم جن کا تعلق خدا شناسی سے ہو جیسے حشر و نشر اور جزاوسزا کا علم یا خود اپنی ذات کا علم۔ ان سب کو چھوڑ کر باقی سب علم ذریعہ ہیں مقصد نہیں۔ ان ادبی اور منطقی رسائل کا تو ذکر ہی کیا جو عموماً دینی مدارس میں پڑھائے جاتے ہیں

اسی وجہ سے فقہا اور علماء دین کی ایک اصطلاح ہے کہ وجوب علم تہیوئی ہے۔ یعنی علم حاصل کرنا اس لیے واجب ہے کہ علم آدمی کو اس کام کے لیے تیار کرتا ہے جو اسلام کے اصل مقصد کے لیے مناسب ہے۔ خود عملی مسائل یعنی نماز، روزہ، حج، زکات خمس، طہارت وغیرہ کے احکام کا جن کا ذکر رسائل عملیہ میں ہوتا ہے۔ سیکھنا اس لیے ضروری ہیں کہ آدمی ایک دوسرے فریضے کو صحیح طریقے سے انجام دے سکے۔ مثلاً ایک صاحب استطاعت شخص جو حج کے لیے جانا چاہتا ہو اس کے لیے ضروری ہے کہ حج کے مسائل سے واقفیت پیدا کرے تاکہ حج کے مراسم درست طور پر انجام دے سکے۔

جب ہم نے یہ اصول ذہن نشین کرلیا تو ایک دوسری بات سمجھنی ضروری ہے کہ حج کے مسائل سے واقفیت پیدا کرے تاکہ حج کے مراسم درست طور پر انجام دے سکے۔

جب ہم نے یہ اصول ذہن نشین کرلیا تو ایک دوسری بات سمجھنا ضروری ہے اور وہ یہ کہ اسلام کس قسم کا مذہب ہے اور اس کے کیا مقاصد ہیں؟ یہ کس طرح کا معاشرہ قائم کرنا چاہتا ہے؟ اسلامی مقاصد میں کیا کیا امور شامل ہیں؟ کیا اسلام عبادت اور اخلاق کے چند مسائل پر قناعت کرتا ہے یا اس کے احکام کا دامن اتنا وسیع ہے کہ زندگی کے تمام معاملات پر حاوی ہے اور تمام اجتماعی، اقتصادی اور سیاسی معاملات

اس کی نظر میں ہیں؟ آیا اسلام چاہتا ہے کہ مسلم معاشرہ آزاد ہو یا وہ معاشرہ کے محکوم ہونے کو کوئی اہمیت نہیں دیتا؟ ظاہر ہے کہ اسلام ایک آزاد، معزز، سربلند اور خود کفیل معاشرہ چاہتا ہے۔

ایک تیسری بات کی طرف بھی توجہ ضروری ہے اور وہ یہ کہ آج کی دنیا کا پہیہ علم کی دھری پر ہی گھوم رہا ہے۔ علم ہی سب ضرورتوں کی کنجی ہے۔ علم کے بغیر کوئی مستقل، آزاد، باعزت، طاقتوار اور خود کفیل معاشرہ وجود میں نہیں آسکتا کیونکہ علم ہی فنی و تکنیکی معلومات کا ذریعہ ہے۔ اس سے خود بخود یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ہر زمانے میں خصوصا اس زمانے میں علم حاصل کرنا واجب اور فرض ہے۔ مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ تمام علوم سیکھیں جن سے اسلامی مقاصد بروئے کار آسکیں اور اس معاملے میں کوتاہی نہ کریں۔

اس معیار کے مطابق ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ تمام مفید علوم دینی علوم ہیں اور یہ بھی معلوم ہوسکتا ہے کہ کونسا علم واجب کفائی ہے اور کونسا علم واجب عینی۔ ہم یہ بھی سمجھ سکتے ہیں کہ کسی زمانے میں ایک علم کا حاصل کرنا سب سے زیادہ ضروری اور فرض ہے اور کسی دوسرے زمانے میں ممکن ہے یہ صورت نہ ہو۔ اس کا تعین ان لوگوں کی ذہانت اور توجہ پر مرکوز ہے جو ہر زماے میں اجتہاد اور استنباط کا فرض انجام دیتے ہیں۔

سوالات

سوال ۱۔ علم کے بارے میں دین کیا کہتا ہے؟

سوال ۲۔ وہ کونسے دو طبقے ہیں جنہوں نے دین اور علم کو ایک دوسرے کا مخالف قرار دیا ہے؟

سوال ۳۔ علم کے متعلق مورد گفتگو دو پہلوؤں کو بیان کریں؟

سوال ۴۔ اسلام میں علم کی تاکید کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟

سوال ۵۔ اسلام میں علم سے مراد کونسا علم ہے؟

سوال ۶۔ علم کے بارے میں قرآن کا طرز فکر بیان کریں؟

سوال ۷۔ توحید اور علم کا آپس میں کیا تعلق ہے؟

سوال ۸۔ علم ذریعہ ہے یا مقصد؟ وضاحت کریں؟